تدوین حدیث اور اصول درایت

علی اصغر چشتی صابری ☆

علمائے حدیث کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں ان میں تین قسم کے حضرات ملتے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق "روایۃ الحدیث" سے ہے۔ ان کا اصل وظیفہ یہ ہے کہ روایت کو سند کے اعتبار سے پرکھتے ہیں اور ضبط کرنے کے بعد روایت کرتے ہیں۔

دوسری قسم ان حضرات کی ہے جن کا تعلق "درایۃ الحدیث" سے ہے۔ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ روایت کو متن کے لحاظ سے دیکھتے ہیں اور داخلی نقد پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

تیسری قسم ان علماء کی ہے جو روایت کو سند کے لحاظ سے بھی پرکھتے ہیں اور متن کی بھی عقلی و اصولی بنیادوں پر تحقیق کرتے ہیں۔ جن محدثین کا تعلق اجتہاد و استنباط احکام سے ہوتا ہے وہ اصول روایت اور درایت دونوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت اعمش کا مشہور قول ہے:

"یا معشر الفقهاء انتم الاطباء و نحن الصیادلة" (۱)

ترجمہ: اے فقہاء کی جماعت! روایت کے اخذ اور استعمال کے سلسلے میں تمہاری مثال طبیبوں کی سی ہے اور ہماری مثال پنساریوں کی۔

مطلب یہ کہ روایات کا ذخیرہ محدثین کے پاس ہوتا ہے لیکن ان سے طریق استنباط فقہاء جانتے ہیں۔ شیخ طاہر الجزائری لکھتے ہیں:

"ان المحدثین قلما یحکمون علی الحدیث بالاضطراب اذا کان الاختلاف فیه واقعا فی نفس المتن لان ذلک لیس من شانهم من جهة کونهم محدثین وانما هو من شان

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

المجتهدين۔ (۲)

(حدیث پر محدثین اس صورت میں اضطراب کا حکم بہت کم لگاتے ہیں جبکہ نفس متن میں اختلاف ہو کیونکہ بحیثیت محدث یہ ان کا کام نہیں ہے بلکہ یہ مجتہدین کا وظیفہ ہے۔)

اصول درایت کی بنیاد قرآن حکیم میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقوں نے تہمت لگائی اور اس کا چرچا اس حد تک ہوا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تو اللہ جل شانہ نے فرمایا:

"لو لا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم۔" (۳)

ترجمہ: جب تم نے اس خبر کو سنا تو کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمارے لیئے ایسی بات ہرگز مناسب نہیں۔ یہ تو بہت بڑے بہتان کی بات ہے۔

یہاں یہ اشارہ ہے کہ اس بے بنیاد خبر کو سننے کے بعد تمہیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ انتہائی نامعقول بات ہونے کے باعث درایۃً بالکل ساقط الاعتبار خبر تھی۔

صحابہ کرام اور اصول درایۃ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں درایت کی ابتداء ہو چکی تھی ۔ صحابہ کرام کے اندر ایسا گروہ موجود تھا جو ہر قسم کی روایت کو قابل قبول نہیں سمجھتا تھا۔ یہ حضرات روایت کو سننے کے بعد اسے درایت کے ترازو میں تولتے اگر روایت صحیح ہوتی تو اسے قبول کرتے، ورنہ رد کر دیتے ۔ اس جماعت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا:

"اذا سمعتم الحدیث تعرفہ قلوبکم وتلین لہ اشعارکم و ابشارکم، وترون انہ منکم قریب فانا اولاکم بہ، واذا سمعتم الحدیث عنی تنکرہ قلوبکم وتنفر منہ اشعارکم وابشارکم وترون انہ منکم بعید فانا ابعدکم منہ" (۴)

(جب تم کوئی ایسی حدیث سنو جس سے تمہارے دل کو انسیت ہو اور تمہارے بال و کھال اس سے متاثر ہوں اور اپنے سے اس کو قریب سمجھو تو میں اس کا تم سے زیادہ حقدار ہوں اور جب تم کوئی ایسی روایت سنو جس کو تمہارے دل قبول نہ کریں اور تمہارے جسم و جان اس سے متوحش ہوں اور اپنے سے اس

کو دور سمجھو تو میں تمہارے مقابلہ میں اس سے زیادہ دور ہوں۔)

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما حدثتم عنی ما تنکرونہ فلا تاخذوا بہ فانی لا اقول المنکر و لست من اھلہ"۔ (۵)

(جب تمہارے سامنے ایسی حدیث بیان کی جائے جس سے تمہارا دل مطمئن نہ ہو تو اس کو قبول نہ کرو کیونکہ نامناسب بات کرنا میرے منصب کے خلاف ہے۔)

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان موجود رہے۔ تب تک انہیں حدیثی روایات خود پرکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی ۔ اشکال کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت ہو سکتی تھی۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا تو اب ضروری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب روایات کو آنکھیں بند کر کے نہ لیا جائے بلکہ راوی اور روایت کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ میت کو اس کے پسماندگان کے نوحہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے:

"ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ"۔ (۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سنی تو اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا : غفر اللہ لابی عبدالرحمن انہ وھل' ان اللہ تعالی یقول: "لا تزر و ازرۃ وزر اخری"۔ انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان ھذا لیعذب الان واھلہ یبکون علیہ"۔ (۷)

اللہ تعالی ابو عبدالرحمن (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کے حال پر رحم فرمائے ۔ آپؓ بات سمجھے نہیں' یہ تو اللہ جل شانہ کے ارشاد "لا تزر وازرۃ وزر اخری" کے خلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک قبر کے قریب سے گذرے تو فرمایا: یہ قبر والا تکلیف میں مبتلا ہے اور اس کے گھر والے اب تک اس کیلئے رو رہے ہیں۔

ایک موقع پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان کی:

"الشهر تسع و عشرون ....- یعنی مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سنی تو فرمایا: غفر اللہ لابی عبدالرحمن انہ وھل' انما ھجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساء د شھرا فنزل لتسع و عشرین' فقالوا یا رسول اللہ! انک نزلت لتسع و عشرین - فقال: ان الشھر یکون تسعا و عشرین" [۸] - (اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمن کے حال پر رحم فرمائے وہ سمجھے نہیں - بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ کیلئے ازواج مطہرات سے الگ رہے۔ جب انتیس دن پورے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانہ سے نیچے تشریف لائے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا: اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نے تو ازواج مطہرات سے ایک مہینہ تک الگ رہنے کا فرمایا تھا اور مہینہ تو ابھی پورا نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی: "الوضوء مما مست النار ولو من ثور اقط"۔ (جس چیز کو آگ چھوئے اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ پنیر کا ایک ٹکڑا ہی ہو)۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "انتو ضاء من الدھن ' انتو ضا من الحمیم" [۹] (کیا ہم چکناہٹ اور گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو کریں گے؟)۔

محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی: ان اللہ قد حرم علی النار من قال لا الہ الا اللہ یبتغی بذلک وجہ اللہ"۔ (جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے "لا الہ الا اللہ" کہا اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔ تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "واللہ ما اظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما قلت" [۱۰] میں نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات کہی ہو گی جو تم کہہ رہے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر پر کھڑے ہو کر فرمایا" ھل وجد تم ما وعدکم ربکم حقا۔ ثم قال! انھم یسمعون الان ما اقول" - (اے قلیب والو! کیا تم نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو درست پایا؟۔ پھر فرمایا: اب یہ لوگ میری بات سن رہے ہیں - جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ روایت بیان کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وھل ابن عمر' انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انھم الان لیعلمون ان الذی کنت اقول لھم لھو الحق"۔ [۱۱] ابن عمرؓ صحیح نہیں سمجھے - رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: قلیب والے اب جانتے ہیں کہ جو بات میں ان کے سامنے پیش کر رہا تھا وہ ٹھیک تھی۔

اس قسم کی بہت ساری روایات ذخیرہ حدیث میں موجود ہیں جنہیں اگر یکجا کیا جائے تو ایک معقول ضخامت کی کتاب بن سکتی ہے۔ ذیل میں ہم درایت کے چند بنیادی اصولوں پر بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ محدثین حضرات روایت کے متن کو کن کن پہلوؤں سے دیکھتے ہیں اور اس کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں۔

(۱) روایت کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو:

جو حدیثی روایت کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو اسے اصولاً قبول نہیں کیا جاتا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس اصول پر عمل رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک عورت نے کوئی حدیث بیان کی آپؓ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتے۔ (۱۲)

حدیث معراج میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رویئت باری تعالی سے مشرف ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سنی تو اس کی صحت سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ قرآن کی آیت "لا تدرکہ الابصار" کے خلاف ہے۔ (۱۳)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بدفالی کے متعلق حدیث بیان کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضور علیہ السلام یہ ارشاد کس طرح فرما سکتے تھے جبکہ قرآن صراحۃً کہتا ہے: "ان الامر کلہ للہ"۔

(۲) روایت اسلامی کلیات کے خلاف نہ ہو:

جو روایت اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی روح کے خلاف ہو محدثین کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ (۱۴)

امام ذہبی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے:

"حدثوا الناس بما یعرفون، ودعوا ما ینکرون" (۱۵) - انہی باتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرو جنہیں جانتے پہچانتے ہو اور جنہیں نہیں پہچانتے انہیں چھوڑ دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوع روایات کی نقل و تحدیث کا جو سلسلہ جاری ہو گیا تھا ان جعلی روایات کو صحیح روایات سے جدا کرنے کیلئے آپؓ نے مسلمانوں کو یہ کسوٹی اختیار کرنے کا مشورہ دیا جس کا حاصل بہ ظاہر یہی ہے کہ اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی روح سے جو حدیثیں مطابقت رکھتی ہوں صرف انہی کو قبول کرنا چاہئے اور قرآن جس عقل و دانش کو آدمی کے اندر پیدا کرتا ہے جو چیزیں اس کے مخالف ہوں ان کو ترک کر دینا چاہئے۔

روایات کے رد و قبول کا یہ معیار، وہی معیار ہے جس پر آخر وقت تک محدثین عمل کرتے رہے۔

علامہ ابن جوزیؒ محدثین کا یہ اصول نقل کرتے ہیں:

"کل حدیث دایتہ یخالف المعقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع"۔ (۱۶)

جس روایت کو آپ معقول اور اصول (کلیات) کے خلاف پائیں تو سمجھ لیجئے کہ موضوع اور من گھڑت ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"او یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ، او مباینا لبعض الکتاب والسنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی حیث لا یقبل من ذلک التاویل"۔ (۱۷)

(یا حدیث ایسی ہو کہ حواس و مشاہدہ اسے مسترد کر دے یا کتاب اللہ اور حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے مخالف ہو اور کسی تاویل کی گنجائش اس میں باقی نہ رہے تو ایسی حدیث اصول کے لحاظ سے ساقط الاعتبار کہلائے گی۔)

مقدمہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ آپؓ نے موضوع روایات کے فتنہ کا تذکرہ کر کے فرمایا:

"لم ناخذ من الناس الا ما نعرف"۔ (۱۸)

ہم انہی حدیثوں کو قبول کریں گے جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اس کے تحت لکھتے ہیں:

"ای ما یوافق المعروف او نعرف فیہ امارات الصحۃ و سمات الصدق۔"[۱۹]

(یعنی مانوس اور معروف و مشہور روایات یا وہ جن میں صحت کی علامات اور سچائی کے دلائل پائے جاتے ہوں۔)

اور یہ دراصل درایت کے اسی اصول کی تفصیل ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیش فرمایا تھا۔

(۳) روایت میں رکاکت نہ ہو:

حدیثی روایت کیلئے ضروری ہے کہ اس میں رکاکت نہ پائی جائے۔ اگر روایت میں کسی بھی پہلو سے رکاکت موجود ہو تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بالکل جائز نہیں۔ اس ضمن میں شیخ زین الدین عراقیؒ کہتے ہیں:

"وربما یعرف بالرکاکۃ۔"[۲۰]

بسا اوقات حدیث کا من گھڑت ہونا اس کی رکاکت سے پہچانا جاتا ہے اور ملا علی قاریؒ کہتے ہیں:

"ومنها رکاکۃ الفاظ الحدیث وسماجتها بحیث یسمجها السمع ویدفعها الطبع"[۲۱]

(حدیث کے من گھڑت ہونے کی پہچان اس کے الفاظ کی رکاکت اور نقص ہے جو سننے والے کو ناگوار ہو اور طبیعت اس کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔)

روایت میں رکاکت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک لفظی اور دوسری معنوی۔ لفظی رکاکت سے مراد یہ ہے کہ روایت کے الفاظ غیر معیاری ہوں۔ جملوں میں ترتیب و ترکیب کی کمی ہو اور زبان دان اسے پڑھتے ہوئے یوں محسوس کریں کہ یہ کسی غیر معیاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افصح و ابلغ العرب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہیں اسلئے یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے الفاظ اور جملے قواعد عربیہ کے خلاف اور فصاحت و بلاغت کے

معیار سے گرے ہوئے ہوں۔

رکاکت معنوی کا مطلب یہ ہے کہ روایت کا مفہوم اور مضمون شان نبوت کے مطابق نہ ہو اور کلام معیار نبوت سے گرا ہوا ہو۔ حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

"ویسمج معناها للفطن"۔ [۲۲]

اہل دانش اس کے معنی و مفہوم کو ناگوار سمجھیں۔ مثلاً:

"من فارق الدنیا وهو سکران، دخل القبر سکران وبعث من قبره سکران وامر به الی النار سکران الی جبل یقال له سکران"۔ [۲۳]

(جس شخص کی موت نشہ کی حالت میں ہوئی وہ قبر میں نشہ کی حالت میں داخل ہو گا اسی حالت میں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اسی حالت میں آگ کی طرف لے جانے کا حکم ہو گا جس پہاڑ کی طرف اسے لے جایا جائے گا اس کا نام سکران ہے)۔

یا جیسے:

"ان لله ملکا اسمه عمارة علی فرس من حجارة الیاقوت طوله مدبصره یدور فی البلدان ویقف فی الاسواق فینادی الا لیغل کذا وکذا، الا لیرخص کذا وکذا"۔ [۲۴]

(اللہ تعالی کا ایک فرشتہ ہے جس کا نام عمارہ ہے وہ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تا حد نظر اس کی لمبائی ہے وہ بستیوں میں گھومتا اور بازاروں میں آوازیں لگاتا ہے۔ اشیاء کی قیمتیں اتنی بڑھاو۔ اشیاء کی قیمتیں اتنی گھٹاؤ۔)

رکاکت لفظی اور معنوی کی وجہ سے علماء حدیث نے روایات کی ایک معقول تعداد کو رد کر دیا ہے۔ جن حضرات کا تعلق تحدیث و روایت سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک کی کثرت استعمال کی وجہ سے ان کے اندر ایک خاص قسم کا ملکہ اور سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعے وہ موضوع روایت کو پہچان لیتے ہیں۔ ابن دقیق العید اس بارے میں لکھتے ہیں:

"حصلت لهم لکثرة محاولة الفاظ النبی صلی الله علیه وسلم بیئة نفسانیة و ملکة

قویۃ یعرفون بھا ما یجوز ان یکون من الفاظ النبوۃ و ما لا یجوز۔ (۲۵)

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک کی کثرت استعمال اور ان کے برتنے میں مشغولیت کی شدت ان حضرات میں ایک خاص قسم کا سلیقہ پیدا کر دیتی ہے اور ایسی غیر معمولی حذاقت جس کی وجہ سے وہ اس کو پہچاننے لگتے ہیں کہ کونسے الفاظ کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہو سکتا ہے اور کن الفاظ کا انتساب درست نہ ہوگا۔)

امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"اتی ابن عباس بکتاب فیہ قضاء علی فمحاہ الا قدر، واشار سفیان بذراعہ" (۲۶)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک کتاب پیش ہوئی جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلوں پر مشتمل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کتاب کو لیکر مٹانا شروع کیا مگر اتنا باقی رکھا حضرت سفیان نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک ہاتھ کے برابر۔)

علامہ بلقینی فنی ذوق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان انسانا لو خدم انسانا سنین و عرف ما یحب و ما یکرہ، فادعی انسان انہ کان یکرہ شیئا یعلم ذلک انہ یحبہ وبمجرد سماعہ یبادر الی تکذیبہ" (۲۷)

(اگر ایک شخص کسی کی برسوں خدمت کر کے اس کی پسند و ناپسند سے واقفیت حاصل کرے اور پھر کوئی اس کی پسندیدہ شے کے بارے میں کہہ دے کہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے تو سننے کے ساتھ ہی یہ اس کو جھوٹ قرار دے دے گا اور مزید تحقیق کی ضرورت نہ سمجھے گا)

(۴) روایت میں پیشنگوئی ماہ وسال کے تعین کے ساتھ ہو:

اگر حدیثی روایت میں کوئی پیشنگوئی ماہ وسال کے تعین کے ساتھ ہو تو ایسی روایت کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا علماء حدیث کے نزدیک درست نہیں ۔ حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں: "ان یکون فی الحدیث تاریخ کذا وکذا"۔ (۲۸)

(حدیث میں تاریخ کا تعین ہو)

ملا علی قاری کہتے ہیں:

"ومنها احاديث التواريخ المستقبلة" (۲۹)

مثلا : "عند راس مائة يبعث الله ريحا باردة يقبض الله فيها روح كل مومن"۔ (۳۰)

(ہر سو سال کے بعد اللہ تعالی ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس کے ذریعہ ہر مومن کی روح کو قبض کر لے گا)۔

یا جیسے : "اصحابي اہل ایمان و عمل الی اربعین ' واهل بر وتقوی الی الثمانین واهل تواصل و تراحم الی العشرين ومائة' واهل تقاطع وتدابر الی الستين ومائة ثم الهرج الهرج" (۳۱)

(میرے اصحاب چالیس سال تک ایمان و عمل والے ہوں گے۔ اسی سال تک نیکی اور تقوی والے ہوں گے۔ ایک سو بیس سال تک باہمی صلہ رحمی اور محبت والے ہوں گے۔ ایک سو ساٹھ سال تک قطع تعلقات اور نفرت والے ہوں گے اس کے بعد بے چینی اور اضطراب ہوگا)۔

(۵) روائت مقتضیات عقل کے خلاف نہ ہو:

جو روایت مقتضیات عقل کے خلاف ہو اس کا باطل ہونا معلوم ہے ۔ علماء حدیث ایسی روایت کو قبول نہیں کرتے ۔ علامہ سخاوی اس بارے میں کہتے ہیں : "لا تعتبر رواته ولا تنظر فی جرحهم" (۳۲) ایسی روایت کے راوی قابل اعتبار نہیں ان کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہئیے)۔ مطلب یہ کہ رواۃ کی شہرت اور ثقاہت کی وجہ سے اس قسم کی روایت کو اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ ابن جوزیؒ اس اصول کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

الا تری انه لو اجتمع خلق من الثقات فاخبروا ان الجمل قد دخل فی سم الخياط لمانفعتنا ثقتهم ولا اثرت فی خبرهم لانهم اخبروا المستحيل" (۳۳)

(کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر ثقہ لوگوں کی جم غفیر خبر دے کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو گیا اس صورت میں نہ ان کی ثقاہت ہمیں نفع دے گی اور نہ ان

کی خبر ہمیں متاثر کرے گی اس لیے کہ انہوں نے جس واقعہ کی خبر دی ہے وہ ناممکن اور محال ہے)۔

علمائے حدیث نے اس اصول کے پیش نظر ذخیرہ حدیث میں منقول کئی روایات کو صحیح ماننے سے انکار کیا ہے۔ مثلاً: "الورد الابیض خلق من عرقی لیلة المعراج والورد الاحمر خلق من عرق جبرئیل والورد الاصفر من عرق البراق"۔ (۳۴) ------ (سفید گلاب معراج کی رات میں میرے پسینہ سے پیدا کیا گیا۔ سرخ گلاب جبرئیل کے پسینہ سے اور زرد گلاب براق کے پسینہ سے پیدا کیا گیا) ------- اس روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ عقل عام کے بالکل خلاف ہے۔۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے: من قص اظفاره مخالفالم یر فی عینه رمدا۔ (۳۵) ---- (جس نے اپنے ناخن مخالف سمت سے کاٹے وہ آشوب چشم سے محفوظ رہے گا)۔

خبر واحد اگر مقتضائے عقل کے خلاف ہو اور اس میں تاویل صحیح نہ ہو سکے تو محدثین کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ شیخ عبدالعزیز البخاری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"اعلم ان خبر الواحد اذا ورد مخالفا لمقتضی العقل، فان امکن تاویله من غیر تعسف یقبل التاویل الصحیح، وان لم یمکن تاویله الا بتسعف لم یقبل، لانه لو جاز التاویل مع التعسف لبطل التناقض من الکلام کله ویجب فیما لا یمکن تاویله القطع علی ان النبی علیه السلام لم یقله والاحکایة عن الغیر او مع زیاده او نقصان وان کان مخالف لنص الکتاب والسنة المتواتره او للاجماع فکذلک، لان هذه الادلة قطعیة وخبر الواحد ظنی، ولا تعارض بین القطعی والظن بوجه، بل الظنی یسقط بمقابلة القطعی .... (۳۶)

(خبر واحد اگر مقتضائے عقل کے خلاف ہو تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس میں بغیر کسی تکلیف یا تردد کے تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟۔ اگر تاویل صحیح ہو سکے تو اس خبر کو قبول کر لینا چاہئے ورنہ اسے رد کر دینا چاہئے اسطرح جو خبر نص کتاب، سنت متواتر یا اجماع کے خلاف ہو اسے بھی رد کر دینا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ تمام دلیلیں قطعی ہیں اور خبر واحد ظنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قطعی اور ظنی

میں کوئی تعارض نہیں ہوتا بلکہ قطعی کے مقابلہ میں ظنی ساقط ہو جاتا ہے)۔

(۶) روایت میں چھوٹے کام پر بڑے ثواب اور چھوٹی بات پر سخت وعید کی گئی ہو:

جس حدیثی روایت میں کسی چھوٹے کام پر بڑے بھاری ثواب کی بشارت ہو یا چھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو۔ ایسی روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ۔ مثلاً:

"من اغتسل یوم الجمعة بنیة و حسبة کتب الله له بکل شعرة نورا یوم القیامة ورفع الله بکل قطرة درجة فی الجنة من درو الیاقوت والزبرجد بین کل درجتین مسیرة ماءة عام" (۳۷)

(جس نے جمعہ کے دن اچھی نیت کے ساتھ غسل کیا اللہ تعالیٰ اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے قیامت کے دن اس کیلئے نور لکھے گا اور ہر قطرہ کے عوض جنت میں موتی، یاقوت اور زمرد کے درجات بلند کرے گا جس کے ہر دو درجہ کے درمیان سو سال کی مسافت ہوگی) ۔ یا جیسے:

"من تواضع لغنی لاجل غناه ذهب ثلثا دینه" (۳۸)

(جس نے کسی مالدار کے مال و دولت کی وجہ سے اس کے سامنے تواضع کی اس کا دو تہائی دین چلا گیا)۔

اصول درایت کے متعلق محدثین کے اقوال

قال الشیخ ابو اسحاق الشیرازی فی اللمع فی باب بیان ما یرد به خبر الواحد اذا روی الخبر ثقة رد بامور:

احدها، ان یخالف موجبات العقول فیعلم بطلانه لان الشرع انما یرد بمجوزات العقول، واما بخلاف العقول لا۔

الثانی ۔ ان یخالف نص کتاب او سنة متواترة فیعلم انه لا اصل له او منسوخ۔

والثالث ۔ ان یخالف الاجماع فیستدل به علی انه منسوخ ولا اصل له لانه لا یجوز ان یکون صحیحا غیر منسوخ و تجمع الامة علی خلافه۔

الرابع ۔ ان ینفرد الواحد بروایۃ ما یجب علی الکافۃ علمہ فیدل ذلک علی انہ لا اصل لہ لانہ لایجوز ان یکون لہ اصل وینفرد ھو بعلمہ من بین الخلق العظیم۔

الخامس ۔ ان ینفرد بروایۃ ما جرت العادۃ ان ینقلہ اھل التواتر فلا یقبل لانہ لا یجوز ان ینفرد فی مثل ھذا بالروایۃ' واما اذا ورد مخالفا للقیاس او انفرد الواحد بروایۃ ما تعم البلوی لم یرد (۳۹)

شیخ ابو اسحاق شیرازی لمعہ میں لکھتے ہیں:

وہ امور جن کی وجہ سے اگر کسی خبر کو ثقہ نے بھی بیان کیا ہو تب بھی اسے رد کر دیا جاتا ہے' یہ ہیں:

۱۔ وہ روایت جو مقتضیات عقل کے خلاف ہو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ اسلئے کہ شرع تو مجوزات عقل کے مطابق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

۲۔ کتاب اللہ کی کسی نص' یا سنت متواترہ کے خلاف ہو تو سمجھا جائے گا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ منسوخ ہے۔

۳۔ اجماع امت کے خلاف ہو تو سمجھا جائے گا کہ بے بنیاد اور منسوخ ہے ۔ اسلئے کہ پوری امت کا عمل صحیح روایت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

۴۔ ایک ہی شخص تنہا کوئی ایسی روایت بیان کرے جس کا علم لوگوں کی بڑی جماعت کو ہونا ضروری ہو۔

۵۔ راوی تنہا ایسی روایت بیان کرے جس کو عادۃ اہل تواتر کے ذریعہ مروی ہونا چاہئے ۔ اسلئے کہ اس قسم کی روایت میں وہ منفرد نہیں رہ سکتا۔ ہاں اگر روایت قیاس یا متداول عمل کے خلاف ہو تو اس صورت میں قابل لحاظ ہے۔

۲۔ حضرت علقمہ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حلقہ کے مشہور رکن ہیں' کہتے ہیں:

"ان من الحدیث حدیثا لہ ضوء کضوء النھار تعرفہ' وان من الحدیث حدیثا لہ کظلمۃ اللیل تنکرہ ۔ (۴۰)

حضرت ربیع بن خیثم کا قول بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ جس کے راوی خطیب ہیں۔

"ان للحدیث کضوء النهار یعرف ، و ظلمة کظلمة اللیل تنکر"۔ (۴۱)

(حدیثوں میں بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی روشنی دن کی روشنی کی مانند پہچانی جاتی ہے اور بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کی تاریکی رات کی تاریکی جیسی ہے جس سے تم مانوس نہ ہو گے)۔

۳۔ علامہ ابن الجوزیؒ کہتے ہیں:

"الحدیث المنکر یقشعر منه جلد طالب العلم و ینفر منه قلبه فی الغالب و عنی بذلک الممارس لالفاظ الشارع الخبیر بها وبرونقها وبهجتها" (۴۲)

(موضوع اور منکر روایت کے پڑھنے سے پڑھنے والے کے جسم اور دل پر ایک خاص قسم کا اثر ہو جاتا ہے جس سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ روایت صحیح نہیں۔ لیکن یہ اثر اس شخص پر ہوتا ہے جسے الفاظ کے استعمال کی اچھی خاصی مشق ہو گئی ہو اور وہ ان الفاظ کی رونق اور خوبصورتی سے واقف ہو گیا ہو)۔

۴۔ قال ابو الحسن بن الحضار فی تقریب المدارک علی موطا للامام مالک:

"قد یعلم الفقیه صحة الحدیث اذا لم یکن فی سنده کذاب، بموافقة اية من کتاب الله تعالی او بعض اصول الشریعة فیحمله ذلک علی قبوله والعمل به" (۴۳)

(ابو الحسن بن حضار کہتے ہیں: مجتہد حدیث کی صحت کیلئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھتا ہے:

۱۔ اس کی سند میں کوئی راوی جھوٹا نہ ہو۔
۲۔ کتاب اللہ کی کسی آیت سے اس کی مناسبت ہو۔
۳۔ اصول شریعت میں سے کسی اصول کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو۔

جب روایت اس قسم کی ہوتی ہے تو وہ اسے قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے)

۵۔ علامہ سخاوی اپنی مشہور کتاب فتح المغیث میں لکھتے ہیں:

"قال ابن الجوزی و کل حدیث رایته یخالف المعقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع ۔ فلا یتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواته ولا تنظر في جرحهم او یکون مما یدفعه الحس و المشاهدة او مباینا لنص الکتاب والسنة المتواترة او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شئی من ذلک التاویل۔

او یتضمن الافراط بالوعد الشدید علی الامر الیسیر ۔ او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر ' وهذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطر قیة' ومن رکة المعنی' لا تاکلوا القرعة حتی تذبحوها' ولذا جعل بعضهم ذلک دلیلا علی کذب راویہ' کل هذا من القرائن فی المروی' وقد تکون فی الراوی کقصة غیاث مع المهدی او انفرادہ عمن لم یدرکہ بما لم یوجد عند غیرهما او انفرادہ بشئی مع کونه مما یلزم المکلفین علمه وقطع العذر فیه کما قررہ الخطیب فی اول الکفایة او بامر د یتوفر الدواعی علی نقله کحصر عدو الحاج عن البیت"۔ (۴۴)

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو آپ دیکھیں کہ عقل یا اصول کے خلاف ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ من گھڑت ہے۔ اس کے متعلق اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر۔ اسی طرح وہ حدیث قابل اعتبار نہیں ہے جو حس اور مشاہدہ کے خلاف ہو اور وہ حدیث بھی ساقط الاعتبار ہے جو نص کتاب' سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور پھر کسی قسم کی تاویل کی گنجائش بھی اس میں نہ ہو۔

اسی طرح وہ حدیث جس میں ایک ذرا سی بات پر سخت وعید دی گئی ہو یا اس کے برعکس معمولی سے فعل پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو اس قسم کی حدیثیں قصہ گو اور بازاری لوگوں کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں ۔ وہ حدیث بھی قابل اعتبار نہیں جس میں لغویت پائی جائے مثلاً یہ کہ کدو کو ذبح کئے بغیر نہ کھاؤ اس کو دیکھ کر بعض حضرات نے کہا کہ اس کا راوی جھوٹا ہے۔ یہ تمام قرینے وہ ہیں جو روایت میں پائے جاتے ہیں ۔ مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ۔ جبکہ کوئی راوی تنہا ایسے شخص سے روایت کرے جس سے وہ ملا بھی

نہ ہو یا تنہا کوئی ایسی بات بیان کرے جس کا علم اور لوگوں کو بھی ہونا ضروری تھا جیسے کہ الخطیب نے اپنی کتاب الکفایہ کی ابتداء میں اس کی وضاحت کی ہے یا وہ واقعہ اتنا اہم ہو کہ اس کے نقل کے اسباب وافر ہوں ۔ مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے لوگوں کو حج کرنے سے روک دیا۔)

حسب ذیل صورتوں میں روایت قابل اعتبار نہ ہو گی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں یا غیر ثقہ ؟۔

(۱) جو روایت عقل کے خلاف ہو۔

(۲) جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔

(۳) جو روایت محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن مجید، حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

(۵) جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

(۶) معمولی عمل پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو۔

(۷) روایت رکیک المعنی ہو۔

(۸) راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہ کی اور یہ راوی اس شخص سے ملا نہ ہو۔

(۹) روایت ایسی ہو کہ لوگوں کی بڑی تعداد کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو بایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

(۱۰) جس روایت میں ایسا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں راوی اس کو بیان کرتے ۔ اس کے باوجود صرف ایک ہی راوی اس کو بیان کرے۔

(٦) ملا علی قاری الہروی الحنفی اپنی کتاب "الموضوعات الکبیر" کے خاتمہ پر روایات کے نامعتبر ہونے کے چند اصول بیان کرتے ہیں ۔ آپ نے اس سلسلے میں مثالیں بھی دی ہیں اور ساتھ ساتھ مختصر بحث بھی کی ہے ۔ ہم صرف ان

اصول کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) جس روایت میں ایسی فضول باتیں ہوں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نہیں نکل سکتیں مثلاً یہ کہ جو شخص "لا الہ الا اللہ" کہتا ہے، اللہ تعالی اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کی ستر زبانیں ہوتی ہیں اور ہر زبان میں ستر لغت ہوتے ہیں۔

(۲) وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔

(۳) جو روایت صریح حدیثوں کے خلاف ہو مثلاً جس کا نام احمد یا محمد ہو وہ دوزخ میں نہیں جائے گا حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ دوزخ سے نجات کا نام سے تعلق نہیں، عمل سے ہے۔

(۴) جو حدیث واقعہ کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جو حدیث انبیائے کرام علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو مثلاً یہ کہ تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آب رواں اور خوبصورت چہرہ کا دیکھنا۔

(۶) وہ حدیثیں جن میں آئندہ واقعات کی پیش گوئی بقید تاریخ مذکور ہو مثلاً یہ کہ فلاں سن اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا۔

(۷) وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام سے زیادہ ملتی جلتی ہوں مثلاً "ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے"۔

(۸) وہ حدیثیں جن کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں، مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز تھا۔

(۹) وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس ہو گی اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کب آئے گی حالانکہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔

(۱۰) بعض وہ روایات جو حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

(۱۱) جس حدیث میں رکیک الفاظ پائے جاتے ہوں مثلاً اربع لا یشبع من اربع 'انثی من ذکر' وارض من مطر وعین من نظر و اذن من خبر ...."۔

(۱۲) بعض وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں۔ (۴۵)

اصول درائت کا اطلاق

محدثین میں ایک ایسا گروہ ہمیشہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بناء پر بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا۔ گو ان کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے۔

(۱) ایک ضعیف حدیث ہے کہ "جس شخص نے عشق کیا اور پاک دامن رہا اور وفات پائی وہ شہید ہوا"۔ حافظ ابن قیم اس حدیث کو دلائل عقلی سے باطل ثابت کر کے لکھتے ہیں: " فلو کان اسناد هذا الحدیث کالشمس کان غلطاو وهما" (۴۶) اس حدیث کی سند اگر آفتاب کی طرح ہوتی تب بھی غلط اور وہم ہوتی۔)

(۲) صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اقض بینی وبین هذا الکاذب الاثم الغادر الخائن" -------- (میرے اور اس جھوٹے' مجرم' دھوکہ باز' خائن کے درمیان فیصلہ کیجئے)

چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے' اس لئے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے۔

علامہ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں:

"اذا انسدت طرق تاویلها نسبنا الکذب الی رواتها" -------- (۴۷) (جب اس کی تاویل کے سب رستے رک جائیں گے تو ہم راویوں کو جھوٹا کہیں گے۔)

(۳) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ اللہ جل شانہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا۔۔۔۔۔ (۴۸) حافظ ابن حجر اس کے تحت لکھتے ہیں:

"ویشکل علی ھذا ما یوجد الان من اثار الامم السالفة کدیار ثمود، فان مساکنھم تدل علی ان قاماتھم لم تکن مفرطة الطول علی حسبما یقتضیہ الترتیب السابق ولم یظھر الان ما یزیل ھذا الاشکال۔ (۴۹) ------ (اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قوموں کے جو آثار اس وقت موجود ہیں مثلاً قوم ثمود کے مکانات، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد اس قدر بڑے نہ تھے جیسا کہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے اور اس وقت تک مجھے اس اشکال کا جواب نہیں معلوم ہوا)۔

(۴) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہیں گے کہ اے خدا! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت میں مجھ کو رسوا نہ کرے گا۔ اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"وقد اشتشکل الاسماعیلی ھذا الحدیث من اصلہ وطعن فی صحتہ۔ (۵۰)

(اسماعیلی نے اس حدیث پر اشکال وارد کیا ہے اور اس کی صحت پر طعن کیا ہے۔

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا، اس پر اور بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا) (۵۱) حافظ ابن عبدالبر نے اس بناء پر اس حدیث کی صحت میں تامل کیا کہ جانور مکلف نہیں ۔ اس لئے ان کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہو سکتا، نہ اس بناء پر ان کو سزا دی جا سکتی ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"وقد استنکر ابن عبدالبر قصة عمرو بن میمون ھذہ وقال فیھا اضافة الزنا الی غیر مکلف واقامة الحد علی البھائم"۔ (۵۲)

(ابن عبدالبر نے عمرو بن میمون کے اس قصہ سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں غیر مکلف کی طرف زنا کی نسبت ہے اور جانوروں پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہے)

(۶) صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن ابی کے طرف داروں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں جھگڑا ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

"وان طائفتن من المومنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما" ۔ (۵۳)

(اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان میں صلح کرا دو۔)

روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت تک عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ ظاہر میں بھی اسلام نہیں لایا تھا۔ اس بناء پر ابن بطال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ آیت قرآن اس واقعہ کے متعلق نہیں ہو سکتی۔ اسلئے کہ آیت میں تصریح ہے کہ جب دونوں گروہ مومن ہوں۔ اور یہاں عبداللہ بن ابی کا گروہ علانیہ کافر تھا۔

(۷) ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ سے معاف کر دیا تھا۔ ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

"ومنها ما يقترن بالحديث من القرائن التى يعلم بها انه باطل مثل حديث وضع الجزية عن اهل خيبر فهذا كذب من عدة وجوه:

احدها ان فيه شهادة سعد بن معاذ وسعد قد توفى قبل ذلك فى غزوة الخندق' ثانياً ان فيه وكتب معاوية بن ابى سفيان هكذا' ومعاويه انما اسلم زمن الفتح وكان من الطلقاء۔

ثالثا ان الجزية لم تكن نزلت حينئذ ولا يعرفها الصحابة ولاالعرب وانما انزلت بعد عام تبوك و حينئذ وضعها النبى عليه الصلاة والسلام على نصارى نجران ويهود اليمن ولم يوخذ من يهود المدينة لانهم وادعوه قبل نزولها ثم قتل من قتل منهم واجلى بقيتهم الى خيبر و الى الشام وصالحه عليه الصلاة والسلام اهل خيبر قبل فرض الجزية ....

رابعها ۔ ان فيه انه وضع عنهم اكلف والسخر ولم يكن فى زمانه عليه السلام كلف ولا سخر ولا مكوس ۔

خامسها۔ انه لم يجعل لهم عهدا لازما بل قال نقركم ما شئنا فكيف يضع عنهم الجزية التى يصير لاهل الذمة بها عهد لازم موبدثم لا يثبت لهم امانا لازما موبدا۔

سادسها۔ ان مثل هذا مما يتوفر الهمم والدواعى على نقله فكيف يكون قد وقع ولا يكون علمه عند حملة السنة من الصحابة والتابعين وائمة الحديث' وينفرد بعلمه و نقله اليهود۔

سابعها ۔ ان اهل خيبر لم يتقدم لهم من الاحسان ما يوجب وضع الجزية فانهم

حاربوا اللہ و رسولہ وقاتلوہ وقاتلوا اصحابہ وسلوا السیوف فی وجوھھم۔

ثامنھا ۔ ان النبی علیہ الصلاۃ والسلام لم یسقطھا عن الابعدین عنہ مع عدم معاداتھم لہ کاھل الیمن واھل نجران فکیف یضع عن الخیبر بین الاذنین مع شدۃ معاداتھم لہ وکفرھم وعنادھم۔

تاسعھا ۔ انہ علیہ السلام لو اسقط عنھم الجزیۃ کما ذکروا لکانوا من احسن الکفار حالا ولم یحسن بعد ذلک ان یشترط لھم اخراجھم من ارضھم وبلادھم متی شاء ۔ (۵۴)

یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہے:

(۱) اس معاہدہ پر سعد بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہے حالانکہ وہ غزوہ خندق میں وفات پا چکے تھے۔

(۲) دستاویز میں کاتب کا نام معاویہ رضی اللہ عنہ ہے ۔ حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے۔

(۳) اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا جزیہ کا حکم قرآن مجید میں جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے۔

(۴) دستاویز میں تحریر ہے کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لی جائے گی حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیگار کا رواج ہی نہ تھا۔

(۵) ان کے ساتھ کوئی ایسا لازمی معاہدہ ہوا نہیں تھا انہیں تو بتایا گیا تھا کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کریں گے ۔ پھر ان کو جزیہ سے معاف کر دینا کیسے ہو سکتا ہے جو باقاعدہ معاہدہ کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔

(۶) یہ ایسا واقعہ ہے جس کے نقل کرنے کے خاطر خواہ اسباب موجود تھے ۔ پھر صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ حدیث اس سے بے خبر کیسے رہے؟۔

(۷) اہل خیبر نے کوئی ایسا اچھا کام نہیں کیا تھا جس کی بناء پر ان کا جزیہ معاف کر دیا جاتا انہوں نے تو اللہ جل شانہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف اپنی تلواریں سونت لی تھیں۔

(۸) عرب کے دوردراز حصوں میں جب جزیہ معاف نہیں ہوا، جیسے یمن اور نجران، حالانکہ

ان لوگوں نے چنداں مخالفت اور دشمنی نہیں کی تھی تو خیبر والوں کا کیونکر معاف ہو سکتا تھا۔

(۹) اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے بہی خواہ، دوست اور واجب الرعایۃ ہیں ۔ حالانکہ چند روز کے بعد جلاوطن کر دیئے گئے۔

جو حضرات علم حدیث سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث کا جو ذخیرہ اس وقت ہزاروں روایات اور سینکڑوں مولفات کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے یہ قرون اولی کے علماء حدیث تک نقل در نقل پہنچ کر محفوظ ہوا ہے۔ اس میں رطب و یابس کا خیال نہیں رکھا گیا ہے اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ذخیرہ پر نظرثانی کر کے اس میں سے ان روایات کو نکال دیا جائے جن میں سقم اور نقص پایا جاتا ہے اور محض ان روایات کو یکجا کر دیا جائے جو بالکل صحیح ہوں اور جو امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکیں۔ اس قسم کی باتیں عام طور پر کی جاتی ہیں بلکہ اس قسم کے موضوعات پر طویل بحثیں اور مذاکرے ہوتے رہتے ہیں۔ بدقسمتی سے بعض وہ علماء جو علم حدیث کا رتبہ کم کرنا چاہتے ہیں وہ بیمار ذہنوں کو غذا مہیا کرتے ہیں ۔ بعض مواقع پر ان کی زبانوں سے حدیث کے متعلق ایسی باتیں نکلتی ہیں جنہیں سن کر حیرت ہوتی ہے کہ اس مقدس علم کے خلاف ان کے سینوں میں اتنا غیظ و غضب کیوں ہے۔ اس ضمن میں جو بات زیادہ قابل فہم نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان حضرات کی ذاتی رسائی علم حدیث کے اصول اور مصادر تک نہیں ہوتی۔ بلکہ اکثر و بیشتر انہیں مصادر کے نام تک نہیں آتے ۔ انہیں اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ علماء حدیث نے کس طرح اس علم کی خدمت کی ہے اور اس کی خدمت کیلئے اپنی پوری پوری زندگیوں کی قربانی دی ہے۔ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ علم حدیث کی کتنی شاخیں ہیں اور ہر ایک شاخ پر کتنا کام ہوا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ علماء حدیث نے حدیثی روایات کو کتنا پرکھا اور کیسے پرکھا ہے۔ ان کے پیش نظر وہ مصادر نہیں ہوتے جن میں موضوع اور مردود روایات کو الگ کر کے جمع کیا گیا ہے اور جن کی ضخیم جلدیں کتب خانوں میں موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے اس علم کی جو خدمت کی ہے وہ عبادت سمجھ کر کی ہے۔ درایت کے جو اصول اس مقالے میں ذکر کئے گئے ہیں علماء حدیث نے ان اصولوں پر مشتمل کئی مجموعے مرتب کیئے ہیں۔ ان کے مرتبہ مجموعوں اور مولفات کو پڑھنا بھی دشوار ہے۔

ان مجموعوں پر بحث اور تعارف کیلئے ایک مستقل مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے

حوالہ جات

۱۔ ابن عبدالبر - جامع بیان العلم و فضلہ' باب ذکر من قدم الاکثار فی الحدیث۔

۲۔ الشیخ طاہر بن صالح الجزائری - توجیہ النظر الی اصول الاثر - مطلب فی امور ینبغی الانتباہ

۳۔ القرآن ------------ (النور : ۲)

۴۔ امام احمد بن محمد بن حنبل - مسند - عن ابی اسید الساعدی رضی اللہ عنہ۔

۵۔ ابو الحسن علی بن محمد کتانی - تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الموضوعہ۔ فصل فی حقیقہ الموضوع۔

۶۔ مسند للامام احمد بن حنبل - ج ۲' ص ۳۸

۷۔ ایضاً ص ۳۱

۸۔ مسند احمد ج ۲' ص ۳۱

۹۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ ' الوضوء مما غیرت النار۔

۱۰۔ رواۃ البخاری ج۱' باب الصلوۃ النوافل جماعۃ۔

۱۱۔ مسند احمد بن حنبل' ج ۲' ص ۳۱

۱۲۔ الصحیح للامام مسلم۔ کتاب الجنائز۔

۱۳۔ رواہ البخاری فی التفسیر۔

۱۴۔ الموافقات للشاطبی' ج ۳' ص ۹ ' ۱۰

۱۵۔ تذکرۃ الحفاظ للشیخ الذہبی

۱۶۔ عبدالرحمن بن علی بن جوزی' کتاب الموضوعات ج ۱۔ ص ۱۰۶

۱۷۔ ایضاً (فتح المغیث للشیخ السخاوی۔ الحدیث الموضوع۔

۱۸۔ مقدمہ صحیح مسلم ص : ۱۰

۱۹۔ الشیخ شبیر احمد العثمانی - فتح الملهم- ص ۱۲۔

۲۰۔ السنه ومکانتها فی التشریع الاسلامی' علامات الوضع فی المتن۔

۲۱۔ المنار المنیف - فصل : ۲۳۔ من امارات الحدیث

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ابن قیم - المنار المنیف - فصل : ۲۳' ومنها رکاکة ----

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ فتح المغیث للسخاوی۔ تحت الموضوع

۲۶۔ مقدمه صحیح مسلم ص ۱۰

۲۷۔ الدکتور مصطفی السباعی' السنه ومکانتها فی التشریع الاسلامی - علامات الوضع فی المتن۔

۲۸۔ المنار المنیف - فصل : ۱۳

۲۹۔ موضوعات کبیر - ص ۱۱۳

۳۰۔ اللالی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه' للشیخ جلال الدین السیوطی۔ علامات الوضع فی المتن۔

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ فتح المغیث - الموضوع

۳۳۔ ابن جوزی - کتاب الموضوعات - کتاب التوحید - باب فی الله عز وجل ج ۱ - ص ۱۰۶

۳۴۔ المنار المنیف - فصل : ۸

۳۵۔ المنار المنیف - فصل : ۳۹

۳۶۔ عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری - کشف الاسرار علی اصول الامام فجر الاسلام علی بن محمد البزدوی - بحث فی اخبار الاحاد والتواترة

۳۷۔ موضوعات کبیر - ص : ۱۱۰

۳۸۔ موضوعات کبیر - حرف المیم